نام کتاب ———— قرآنِ حکیم ہم سے کیا چاہتا ہے؟

طبع اوّل (اکتوبر 2004ء) 6000

زیرِ اہتمام — انجمن خدّام القرآن سندھ، کراچی

پیشکش pdf format از www.hamditabligh.net

## کراچی میں لائبریریز اور مکتبہ جات کے پتے

1- قرآن اکیڈمی ، خیابان راحت، درخشاں ، فیز 6 ، ڈیفنس فون: 23-5340022

ای میل: karachi@quranacademy.com

2- 11- داؤد منزل، نزد فریسکو سوئیٹ، آرام باغ فون: 2216586 - 2620496

3- حق اسکوائر، عقب اشفاق میموریل ہسپتال، بلاک 13-C ، گلشنِ اقبال فون: 65-4993464

4- دوسری منزل، حق چیمبر، بالمقابل بسم اللہ تقی ہسپتال، کراچی ایڈمنسٹریشن سوسائٹی فون: 4382640

5- قرآن مرکز، نزد مسجد طیّبہ، سیکٹر 35/A، زمان ٹاؤن، کورنگی نمبر 4 فون: 5078600

6- فلیٹ نمبر 2، محمدی منزل، بلاک ''K''، نارتھ ناظم آباد فون: 6674474

7- C-113 ، مادام اپارٹمنٹس، شاہراہِ فیصل، نزد چھوٹا گیٹ، ایئر پورٹ، فون: 4591442

8- قرآن اکیڈمی یٰسین آباد ، فیڈرل بی ایریا بلاک 9 فون: 6337361

9- متصل محمدی آٹوز، اسلام چوک، سیکٹر 11 1/2 ، اورنگی ٹاؤن فون: 66901440

10- قرآن مرکز لانڈھی، مکان نمبر 861، سیکٹر 37-D، لانڈھی نمبر 2، نزد رضوان سوئیٹس

# قرآنِ حکیم کا پہلا تقاضا -- عبادتِ ربّ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ   بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿﴾

''اے لوگو! عبادت کرو اُس رب کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور اُن کو بھی جو تم سے پہلے گزرے تاکہ تم بچ سکو'' (البقرہ: 21)

### آیت کا محل و مقام :

اس آیۂ مبارکہ پر غور و تدبّر سے پہلے ضروری ہے کہ قرآنِ حکیم میں اِس آیت کے مقام کو سمجھ لیا جائے۔ قرآنِ حکیم میں سب سے پہلی سورت، سورۃ الفاتحہ ہے۔ یہ سورۃ بالکل اسی طرح ہے جیسے کسی کتاب میں دیباچہ یا مقدّمہ کا ہوتا ہے۔ اِس سورۃ میں مسلمانوں کو یہ دعا تلقین کی گئی کہ :

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۵ۙ
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿﴾

''پروردگار! ہمیں سیدھی راہ پر چلا۔ ان بندوں کی راہ پر جن پر تو نے انعام کیا، جن پر نہ تو تیرا غضب نازل ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔''

اس دعا پر سورۃ الفاتحہ کا اختتام ہوتا ہے۔ اس کے بعد پورا قرآنِ حکیم اس دعا کا جواب ہے۔ گویا قرآنِ حکیم ہی وہ صراطِ مستقیم ہے جس کی ایک بندۂ مومن کو احتیاج ہے۔ یہی اُن لوگوں کی راہ ہے جن پر اللہ نے انعام کیا، جو نہ گمراہ ہوئے اور نہ اُن پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی دعا کا مفصّل جواب پورے قرآنِ حکیم میں بالعموم اور پہلی چار طویل مدنی سورتوں (البقرہ، آلِ عمران، النساء، المائدہ) میں بالخصوص پھیلا ہوا ہے۔

سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ البقرہ شروع ہوتی ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے پہلے دو رکوعوں میں تین قسم کے انسانوں کی تفصیل بیان فرمائی گئی ہے۔ ایک وہ جو قرآنِ حکیم سے ہدایت حاصل کریں

گے۔ان کے ذکر میں وہ شرائط بیان کر دی گئی ہیں جو قرآنِ حکیم سے صحیح استفادہ کے لئے ضروری اور لازمی ہیں۔دوسرے وہ جو کفر پر ضد کے ساتھ اڑ چکے ہیں۔اُن میں طلبِ ہدایت ہی سرے سے باقی نہیں رہی لہذا اُن کے لئے قرآنِ حکیم سے رہنمائی حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔پھر دوسرے رکوع میں انسانوں کی تیسری قسم کا قدرے تفصیل سے تذکرہ کیا گیا ہے، جو ان پہلی دو قسموں کے بین بین ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جو زبان سے تو اقرار کرتے ہیں مگر دل سے نہیں مانتے ۔ دوسرا رکوع پورے کا پورا اِنہی لوگوں سے متعلق تفصیلات، اِن کی کیفیات اور اِن کے اوصاف پر مشتمل ہے۔اس کے بعد تیسرے رکوع میں قرآنِ حکیم بنی نوعِ انسان کے سامنے اپنی دعوت پیش کرتا ہے جس کا آغاز آیت **21** سے ہوتا ہے کہ :

**يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۞**

''اے لوگو! عبادت کرو اُس رب کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور اُن کو بھی جو تم سے پہلے گزرے تا کہ تم بچ سکو۔''

## قرآنِ حکیم کی دعوت :

اس آیت میں ایک ہی جملہ میں قرآنِ حکیم کی دعوت کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے۔اگر یہ سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ قرآنِ حکیم انسانوں کو کس بات کی طرف بلاتا ہے تو اس کے لئے یہ ایک جملہ ہی کفایت کرے گا۔آیئے اس آیۂ مبارکہ پر غور کرتے ہیں :

اس آیتِ مبارکہ کا آغاز ''**يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ**'' کے الفاظ سے ہوتا ہے۔'' **يٰٓاَيُّهَا**'' کلمۂ ندا ہے جو پکارنے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ''**يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ**'' کا مطلب ہوا اے لوگو!۔اس اندازِ دعوت سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآنِ حکیم محض بے بنیاد اور بے دلیل عقائد پر مشتمل کوئی کتاب نہیں بلکہ ایک واضح دعوتِ عمل ہے۔ پھر یہ کہ قرآن کسی قوم، طبقہ، نسل، قبیلہ یا رنگ کے انسانوں یا کسی ایک ملک کے رہنے والوں کو نہیں پکارتا بلکہ پوری نوعِ انسانی کو پکارتا ہے۔اس کی دعوت زمان و مکان سے آزاد ہے اور قیامت تک آنے والے اِنسان اس کے مخاطب ہیں۔



## دعوت میں آفاقیت :

یہاں اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل جتنے بھی نبی اور رسول آئے، ان کی دعوت صرف اپنی اپنی قوم کے لئے تھی۔قرآنِ حکیم کئی رسولوں کی دعوت نقل کی گئی جس کا آغاز '' **يٰقَوْمِ**'' (اے میری قوم کے لوگو!) سے ہوتا ہے۔آپ ﷺ سے قبل آخری رسول حضرت عیسیٰؑ تھے جن کے بارے میں قرآنِ حکیم میں ''**رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ**'' (بنی اسرائیل کی طرف رسول) کے الفاظ آئے ہیں۔انجیل میں آپؑ کے یہ الفاظ ملتے ہیں: ''میں اسرائیل کے گھرانے کی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش میں آیا ہوں''۔گویا آپؑ کی دعوت کے اصل مخاطب بنی اسرائیل تھے۔آپؑ کے بعد میں عیسائیت نے ایک تبلیغی مذہب کی حیثیت اختیار کر لی۔صرف نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ ہیں جن کی دعوت کے لئے قرآنِ حکیم میں '' **يٰقَوْمِ** '' کی بجائے ''**يٰٓاَيُّهَا النَّاس**'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔گویا آپ ﷺ واحد رسول ہیں جن کی دعوت پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے۔

مذاہب کی دنیا سے علیحدہ ہٹ کر بھی سوچا جائے تو اس وقت دنیا میں مختلف نظریات کی حامل بے شمار دعوتیں موجود ہیں لیکن ان میں سے کوئی ایک دعوت بھی ایسی نہیں ہے جس میں پوری نوعِ انسانی کو بحیثیت ایک اکائی پکارا جاتا ہو۔پچھلی صدی میں جو دعوت قومی و جغرافیائی سطح سے کچھ بلند ہوئی وہ اشتراکیت کی دعوت ہے، لیکن اس میں بھی پکار یہ ہے کہ '' دنیا بھر کے مزدورو اور کسانو، متحد ہو جاؤ!''۔یعنی یہ دعوت دنیا بھر کے انسانوں کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف کسانوں اور محنت کشوں پر مشتمل ایک مخصوص طبقہ کے لئے ہے۔اس دعوت میں سوسائٹی کو طبقات میں تقسیم کر کے ایک خاص طبقہ کی حمایت کا اعلان کیا جاتا ہے اور دوسرے طبقوں کو قابلِ نفرت گردانا جاتا ہے۔صرف قرآنِ حکیم کی دعوت ہی عالمگیر اور آفاقی حیثیت کی حامل دعوت ہے!۔یہی ایک ایسی دعوت ہے جس کا خطاب ہر انسان سے ہے خواہ وہ امیر ہو یا غریب اور خواہ اُس کا تعلق کسی ملک، کسی نسل اور کسی زبان سے ہو۔

## قرآن کی اصل دعوت......''عبادتِ رب''

اب اگلی بات سمجھنے کی یہ ہے کہ قرآن کی دعوت اصل میں ہے کیا؟ یعنی قرآنِ حکیم کس کام کے لئے بلاتا ہے۔اس بات کو یہاں اس طرح بیان کیا گیا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ

''اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی!''

گویا قرآنِ حکیم کی دعوت کو اگر ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ ہے ''عبادتِ رب''۔ قرآنِ حکیم کی پوری دعوت کا خلاصہ یہی ہے کہ: ''اپنے رب کی عبادت کرو!''۔سورۂ ھود کے آغاز میں فرمایا گیا:

كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ﴿﴾

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ﴿﴾

''یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات محکم کی گئی ہیں (خوب جانچ لی گئی ہیں) پھر ان ہی کی تفصیل و شرح کی گئی ہے ایک حکمت والی اور باخبر ہستی کی طرف سے۔(یہ کتاب جو پیغام لے کر آئی ہے وہ یہ ہے کہ) اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یقیناً میں تمہارے لئے اس ہستی کی طرف سے نذیر اور بشیر بن کر آیا ہوں۔''

یعنی اگر اس دعوت سے اعراض کرو گے، اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت اختیار کرو گے یا عبادت میں اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کر لو گے تو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے خبردار کرنے آیا ہوں اور اگر اسی کی عبادت اختیار کرو گے تو میں تم کو ہمیشہ ہمیش کی نعمتوں کی خوش خبری سنانے آیا ہوں۔سورۂ ذاریات کی آیت 56 میں عبادتِ رب کو انسانوں اور جنوں کا مقصدِ تخلیق قرار دیا گیا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿﴾

''میں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں بنایا مگر اس لئے کی ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔''



## تمام انبیاءؑ و رسلؑ کی مشترک دعوت:

اصولی بات یہ سمجھ لینے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے بھی انبیاء اور رسول بھیجے وہ یہی ''عبادتِ رب'' کی دعوت لے کر آئے تھے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کی تخلیق کا مقصد ہی اپنی عبادت کیا لہٰذا یہ لازم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغامبر نوعِ انسانی کو اپنی تخلیق کا مقصد پورا کرنے کی دعوت دیں۔ انہیں بتائیں کہ اگر انہوں نے اپنی تخلیق کا مقصد پورا نہ کیا تو وہ دنیا میں بھی ناکام رہیں گے اور آخرت میں بھی ان کے حصے میں ہمیشہ ہمیش کے عذاب کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔

سورۂ اعراف، سورۂ ھودؑ، سورۂ مومنون، سورۂ شعراء اور متعدد مکّی سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء و رسلؑ کا نام بنام ذکر فرمایا ہے اور وضاحت فرمائی کہ وہ ''عبادتِ رب'' کی دعوت لے کر اپنی اپنی قوموں کی طرف آئے تھے۔سورۂ اعراف اور سورۂ ھود میں تو ہر رسول کی دعوت کی ابتداء کے لئے یہی کلمات نقل کئے گئے ہیں:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ

''اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، کیونکہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے!''

## ''عبادت'' - قرآنِ حکیم کی ایک بنیادی اصلاح:

مندرجہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ ''عبادتِ رب'' قرآنِ حکیم کی بڑی ہی بنیادی اور مرکزی اصطلاح ہے اور پورے قرآنِ حکیم کی دعوت کا خلاصہ اسی ایک لفظ ''عبادت'' میں بیان کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم کی دعوت کا فہم اِسی لفظ ''عبادت'' کے صحیح فہم پر منحصر ہے اور اِسی سے تمام انبیاءؑ و رسلؑ کی اس متفقہ دعوت کو صحیح طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔عبادتِ رب کے صحیح مفہوم کو سمجھنے کے لئے قرآنِ حکیم کے متعدد مقامات سے مدد لی جا سکتی ہے۔مثال کے طور پر سورۃ البینہ کی آیت 5 کا مطالعہ فرمائیے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ﴿﴾

''اوران کواس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی عبادت کریں، اپنی اطاعت کو صرف اُسی کے لئے خالص کر کے بالکل یکسو ہو کر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اور یہی (طرزِ عمل) ہے بالکل سیدھا دین۔''

اس آیۂ مبارکہ کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے دو باتیں نوٹ فرمالیں۔

i- اس سورۂ مبارکہ کا نام ہے ''البیـنة'' ہے، جس کے معنی ہیں ''روشن اور واضح دلیل''۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس سورۂ مبارکہ کے مضامین روزِ روشن کی طرح عیاں اور سورج کی طرح تابناک ہیں۔ جس طرح ''آفتاب آمد دلیلِ آفتاب'' کے مصداق سورج کے وجود کے لئے کسی خارجی دلیل کی حاجت نہیں، اِسی طرح اس سورۃ کے مضامین خود اپنے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے کافی ہیں۔

ii- پچھلی آیات سے اس آیۂ مبارکہ کا ربط و تعلق یہ ہے کہ اہلِ کتاب اور مشرکین اپنے کفر اور گمراہی میں اتنا آگے نکل گئے تھے کہ ان کے لئے اپنی تحریف شدہ کتابوں یا خود اپنی عقل سے راہِ ہدایت پانا ممکن نہ تھا۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رسول اُن کے پاس دلیلِ روشن کے ساتھ بھیجا جائے، جو ان کے سامنے پچھلی تمام کتابوں کی اصل دعوت کو پھر سے پیش کرے۔

سورۂ مبارکہ کی ابتدائی آیات میں اِس پس منظر میں نبی اکرم ﷺ کی آمد کا مقصد بیان کیا گیا۔ پھر واضح کیا گیا کہ ان کافروں کا حق سے اعراض اس لئے نہیں تھا کہ ان تک صحیح علم نہیں پہنچا تھا، بلکہ دلیلِ روشن آجانے کے بعد ان کی بداعمالیاں محض خواہشاتِ نفس کی پیروی کا نتیجہ ہیں۔ وہ خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ کا ہر نبی اور رسول عبادتِ رب کی دعوت لے کر آیا تھا اور آیا کرتا ہے۔ لہٰذا انہیں اس کے سوا اور کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں یکسو ہو کر، اپنی اطاعت کو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کر دیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور اصل دین یہی ہے!



غور طلب بات یہ ہے کہ اس آیۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا علیحدہ حکم ہے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا علیحدہ۔ گویا عبادت سے مراد صرف عبادات نہیں بلکہ عبادت کا علیحدہ سے کوئی خاص مفہوم ہے۔

## ''عبادت'' کا لغوی مفہوم:

لغوی اعتبار سے لفظ ''عبادت'' کا مفہوم کسی کے سامنے جھک جانا، پست ہو جانا اور بالکل بچھ جانا ہے۔ اِسی لئے عربی میں ''اَلطَّرِيْقُ الْمُعَبَّدُ'' اس راستے کو کہتے ہیں جو مسلسل چلتے رہنے کی وجہ سے خوب پامال ہو کر بالکل ہموار ہو گیا ہو اور اس میں کوئی اونچائی نیچائی نہ رہی ہو۔ اسی طرح اگر کسی جانور کو خوب سدھا لیا جائے کہ وہ اپنے مالک کا ہر حکم ماننے لگے، محض اشارے یا لگام کی ذرا سی حرکت سے وہ سمجھ لے کہ میرا مالک کیا چاہتا ہے، مجھے کس طرف مڑنا چاہئے، مجھے اپنی رفتار تیز کرنی چاہئے یا ہلکی رکھنی چاہئے تو اس کے لئے بھی عربی میں یہی لفظ ''مُعَبَّد'' استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ ''اَلْبَعِيْرُ الْمُعَبَّد'' اس اونٹ کو کہتے ہیں جسے خوب سدھا لیا گیا ہو اور جو پورے طور پر اپنے مالک کے اشاروں پر حرکت کرنے لگا ہو۔ ابوحیان اندلسی نے لکھا ہے کہ ''اَلْعِبَادَةُ -- اَلتَّذَلُّلُ ..... قَالَهُ الْجَمْهُوْرُ'' یعنی اس پر تقریباً اجماع ہے کہ عبادت کا اصل مفہوم ''تذلّل'' یعنی کسی کے سامنے پست ہو جانا، کسی کے سامنے جھک جانا یا کسی کے سامنے بچھ جانا ہے۔ چنانچہ کسی کا فرمانبردار ہو جانا اور خود کو اس کے سامنے بچھا دینا اصل میں عبادت ہے۔

بعض اوقات کسی کی اطاعت مجبوری کے تحت اور اپنی مرضی کے خلاف بھی ہو سکتی ہے۔ ایسی اطاعت پر بھی اس لفظ عبادت کا اطلاق ہوگا۔ چنانچہ قرآنِ حکیم نے مصر میں بنی اسرائیل کی محکومی اور اطاعت کی جو کیفیت بیان کی ہے کہ فرعون اور اُس کی قوم نے ان کو اپنا غلام بنا رکھا تھا تو اس مفہوم کی تعبیر کے لئے یہی لفظ ''عبادت'' استعمال کیا گیا ہے۔ سورۂ شعراء آیت **22** میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول نقل ہوا ہے جو انہوں نے فرعون سے مخاطب ہو کر کہا تھا:

اَنْ عَبَّدْتَ بَنِی اِسْرَائِیْلَ

''تو نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنالیا ہے!''

پھر یہی لفظ ایک موقع پر خود فرعون نے بھی استعمال کیا۔ سورۂ مومنون آیت :47 میں بیان ہوا کہ جب حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ نے فرعون اور اُس کے سرداروں کو عبادتِ رب کی دعوت دی تو اُنہوں نے بڑے طنزیہ انداز میں کہا کہ ہم اِن کی بات مانیں حالانکہ :

وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُوْنَ ﴿﴾

''اور یہ دونو اُس قوم سے تعلق رکھتے ہیں جو ہماری غلام ہے۔''

گویا لغوی اعتبار سے عبادت کا لفظ اطاعت کے لئے آتا ہے، چاہے اس میں اطاعت کرنے والے کی اپنی مرضی اور خواہش کا دخل نہ بھی ہو۔ یہی وجہ ہے عربی میں غلام کو ''عبد'' کہتے ہیں جسے مجبوراً اپنے آقا کی ہر وقت اور ہر معاملہ میں اطاعت کرنا پڑتی تھی۔ فارسی میں غلام کو ''بندہ'' کہتے ہیں لہٰذا عبادت کے لغوی مفہوم کے لئے مناسب لفظ ہے ''بندگی''۔

## ''عبادت'' کا اصطلاحی مفہوم :

لفظ ''عبادت'' جب اپنی لغوی اصل سے اُٹھ کر ہمارے دین کی اصطلاح بنتا ہے تو ''اطاعت'' کے ساتھ ساتھ اس میں ایک دوسرا جزو لازماً شامل ہو جاتا ہے اور وہ ہے ''محبت''۔ لہٰذا عبادت کا حقیقی مفہوم یہ ہوگا کہ شوق اور محبت کے جذبہ کے ساتھ کسی کے سامنے اپنے آپ کو بچھا دینا۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ نے اس لفظ کی تعریف اس طرح کی ہے :

لَفْظُ الْعُبُوْدِيَّةُ يَتَضَمَّنُ كَمَالُ الذُّلِّ وَكَمَالُ الْحُبِّ

''لفظ عبودیت حد درجہ بچھ جانے اور حد درجہ محبت کرنے پر مشتمل ہے۔''

گویا عبادت یہ ہے کہ انسان خود اپنی مرضی سے پوری طرح اللہ کی مرضی کے حق میں دست بردار ہو گیا ہو اور اُس کا اللہ کے سامنے یہ جھکنا دل کی پوری آمادگی اور رغبت کے ساتھ ہو۔ امام ابن قیمؒ نے عبادت کو ان الفاظ میں مزید واضح کیا ہے :



اَلْعِبَادَةُ تَجْمَعُ اَصْلَيْنِ : غَايَةُ الْحُبِّ مَعَ غَايَةُ الذُّلِّ وَالْخُضُوْعِ

''عبادت دو چیزوں کو جمع کرتی ہے ایک انتہائی محبت اور دوسرے آخری حد تک عاجزی کے ساتھ پست ہو جانا۔''

عبادت کا جسم ہے اللہ کی کلی اطاعت اور اس کی روح ہے محبت۔ عبادت کا یہ اصطلاحی مفہوم سمجھ لینے کے بعد اب قرآنِ حکیم کی دعوتِ عبادت پر دوبارہ توجہ مرتکز کیجئے۔ ''يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ'' کا مفہوم یہ ہوگا کہ اے انسانو! جھک جاؤ، اپنے آپ کو بچھا دو..... کمالِ محبت اور کمالِ شوق و رغبت کے ساتھ..... اس ہستی کے سامنے جو تمہارا رب یعنی پالنے والا ہے اور تمہارا خالق بھی ہے۔

## ''عبادت'' کا محدود تصور :

عبادت کے اس حقیقی مفہوم کو ذہن میں رکھ کر سوچئے کہ ہمارے ہاں اس لفظِ عبادت کا حلیہ کس طرح بگڑا ہوا ہے۔ ہمارے ہاں دینی تصورات جس طرح محدود اور بعض حلقوں میں جس قدر مسخ ہوئے ہیں، اس کا نمایاں مظہر یہ ہے کہ ہم نے ''عبادت'' کو صرف چند اعمال اور عبادات کے ساتھ مخصوص کر لیا ہے۔ اِن ہی کی ادائیگی پر عبادت کو منحصر سمجھ لیا ہے۔ عوام الناس کے ذہنوں میں عبادت کا یہ تصور راسخ ہو گیا ہے کہ عبادت سے مراد ہے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ۔ بلاشبہ یہ سب عبادات ہیں، لیکن جب عبادت کو انہیں میں منحصر کر لیا جائے گا اور یہ سمجھ لیا جائے گا کہ بس ان کو ادا کرنے سے عبادت کا حق ادا ہو گیا تو تصورِ دین محدود (Limited) ہی نہیں، مسخ (Perverted) ہو جائے گا۔ یہ تصور اس وقت تک صحیح اور درست نہیں ہوگا جب تک یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ عبادت پوری زندگی میں اللہ کے سامنے بچھ جانے کا نام ہے۔ عبادت اس طرزِ عمل کا نام ہے کہ کمالِ محبت و شوق اور دل کی پوری آمادگی کے ساتھ زندگی کے ہر معاملہ اور ہر گوشہ کو اللہ کے حکم کی اطاعت کی جائے۔ اپنی آزادی، اپنی خود مختاری، اپنی مرضی، اپنی چاہت اور اپنی پسند کو اللہ کی مرضی اور رضا کا تابع بنا دیا جائے۔ زندگی کے تمام افعال و

اعمال میں ''سرِ تسلیم خم ہے .....'' کا رویہ اختیار کرنا اور پوری زندگی کا اُس رخ پر ڈھل جانا ہی عبادت ہے۔

## ایک وسیع تر لیکن ناقص تصورِ عبادت :

خوش قسمتی سے اس دور میں عبادت کا ایک وسیع تر تصور عام ہو رہا ہے اور بہت سے اہلِ قلم حضرات کی کاوشوں اور کوششوں کے نتیجہ میں اب یہ بات پڑھے لکھے طبقہ کی اچھی خاصی تعداد کے سامنے واضح ہو چکی ہے کہ پوری زندگی میں اللہ کے حکم کو ماننا اور زندگی کے تمام گوشوں میں اُس کے قانون اطاعت کرنا عبادت ہے۔ لیکن بدقسمتی سے اس طبقہ کے تصورِ عبادت کے اندر بھی ایک محدودیت موجود ہے اور وہ یہ کہ ان کے ہاں عبادت کے ایک جزو یعنی کامل اطاعت پر تو پورا زور موجود ہے لیکن اِس کا دوسرا جز اور عبادت کی روح یعنی کمالِ شوق، اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذاتی محبت اور دل کی پوری آمادگی نگاہوں سے اوجھل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عبادت کی اس روح کے بغیر اطاعت کو اگر پوری زندگی پر بھی پھیلا دیا گیا ہو تو بھی عبادت کا حق ادا نہیں ہوگا۔ اس کے لئے کامل اطاعت کے ساتھ ساتھ اللہ کے ساتھ انس، دلی لگاؤ اور شوق و رغبت بھی لازمی ہے، بقول علامہ اقبال :

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

## عبادت کی روحِ حقیقی: محبتِ الٰہی :

عبادت کی روحِ حقیقی محبتِ خداوندی کو قرآنِ حکیم میں بہت زیادہ اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اسے ایمان کا لازمی تقاضا قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرۃ :165)

''اور جو لوگ ایمان لائے وہ سب سے زیادہ محبت اللہ سے کرتے ہیں''

اس آیت کے پہلے حصے میں فرمایا:



وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ

''اور لوگوں میں بہت سے تو ایسے ہیں جنہوں نے اللہ کے سوا اوروں کو اس کا مدِّ مقابل بنا لیا ہے، اور وہ ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کرنی چاہئے''۔

''كَحُبِّ اللّٰهِ'' کا مفہوم ہے اللہ کی محبت کی طرح۔ اگر ہم غور کریں تو ہماری کیفیت اس سے بھی بدتر ہے، کیونکہ ہم نے اللہ کو چھوڑ کر دوسری ہستیوں اور نظریات کو اللہ جیسا نہیں بلکہ اللہ سے بھی زیادہ محبوب بنا لیا ہے۔ ہم نے دینوی محبتوں کو اللہ کی محبت پر غالب کر دیا ہے۔ ہماری کیفیت تو وہ ہے جو سورۂ توبہ کی آیت 24 میں بیان ہوئی کہ :

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿﴾

کہہ دیجئے (اے نبی ﷺ) اگر تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے رشتہ دار اور وہ مال جو تم نے محنت سے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں خسارے سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جو تمہیں پسند ہیں۔ اگر تمہیں زیادہ محبوب ہیں اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے اور اس کی راہ میں جہاد سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ لے آئے اللہ اپنا فیصلہ (یعنی تمہاری موت) اور اللہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔''

اس آیۂ مبارکہ میں فی الواقع ہماری تصویر موجود ہے۔ سورۂ انبیاء آیت 10 میں قرآنِ حکیم کے بارے میں فرمایا گیا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ (''اس قرآن میں تمہارا ذکر موجود ہے'')۔ چنانچہ ہر شخص قرآن کے اس ابدی و دائمی آئینہ میں اپنی سیرت کا عکس دیکھ سکتا ہے۔ اس وقت اکثر و بیشتر ہمارا جو حال ہے وہ سورۂ توبہ کی آیت 24 میں بیان کر دیا گیا۔ اس کے برعکس ہونا یہ

چاہیئے کہ صرف اللہ کی نہیں بلکہ اُس کے رسول ﷺ کی محبت بھی تمام رشتوں اور اسباب کی محبتوں سے غالب ہو کیونکہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ

'' تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے لئے اس کے والد، اس کے بیٹے اور تمام انسانوں سے محبوب تر نہ ہو جاؤں (متفق علیہ)

الحمدللہ! قرآن وحدیث کی روشنی میں ''عبادتِ رب'' کا حقیقی مفہوم آپ پر واضح ہو گیا ہوگا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ''عبادتِ رب'' کے اِس تصور کو عام کیا جائے۔ جن حضرات کے ذہنوں میں یہ تصور واضح ہو جائے وہ اسے مزید آگے پھیلائیں اور عوام الناس کو آگاہ کریں کہ عبادت سے محض نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ مراد لے لینا اور باقی زندگی کو اس سے خارج سمجھنا عبادت کا بڑا ہی غلط تصور ہے۔ عبادت تو اصلاً یہ ہے کہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر پوری زندگی اللہ کی اطاعت میں بسر ہو اور زندگی کا کوئی گوشہ اس سے آزاد نہ رہے۔ نہ صرف یہ کہ ہماری گھر کی زندگی اور بازار کی زندگی اللہ کی کامل اطاعت کا نمونہ نظر آئے، بلکہ قومی اور ریاستی سطح کے تمام ادارے اور حکومت کے تمام شعبے جب تک قانونِ خداوندی کے پابند نہ ہو جائیں، اس وقت تک عبادت کا حقیقی تقاضا ادا نہیں ہوتا اور اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً (''اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ'' البقرہ : 208) کے قرآنی حکم کی تعمیل نہیں ہوتی۔ اس کے بعد اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھنے اور سمجھانے کی ضرورت ہے کہ صرف اطاعت نہیں بلکہ وہ اطاعت مطلوب ہے جس میں اللہ کے ساتھ ایک ذاتی تعلق اور ذاتی محبت کا رشتہ موجود ہو۔ اگر یہ نہیں تو عبادت ایک بے روح ڈھانچہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور ہر عمل لذت کی چاشنی سے محروم ہو جاتا ہے۔

## محدود تصورِ عبادت کا افسوسناک نتیجہ :

عبادت کے محدود تصور کا نقصان یہ ہوا کہ کہ صرف عبادات ہی کو عبادت سمجھ لیا گیا اور عبادات



میں ذرا ذرا سے فرق سے مستقل گروہ بندیاں ہو گئی، مختلف مسلک بن گئے اور مستقل طور پر طے ہو گیا کہ یہ مسجد فلاں مسلک والوں کی ہے اور وہ فلاں مسلک والوں کی۔ عبادات میں فرق بھی ثانوی نوعیت کا ہے مثلاً کسی نے ہاتھ سینے پر باندھ لئے اور کسی نے ذرا نیچے، کسی نے آمین زور سے کہی اور کسی نے آہستہ، کسی نے رفع یدین کیا اور کسی نے نہیں کیا، حالانکہ دین میں ان سب کی اجازت موجود ہے۔ دین میں جن چیزوں کی حیثیت فروعی اور ثانوی تھی ان کو مقدم ترین سمجھ لیا گیا۔ وجہ کیا ہے؟ یہی کہ عبادت کا صحیح تصور اور اِس کی روح سامنے نہیں ہے۔ یہ تو یاد ہی نہیں کہ نماز کی اصل روح '' اِسْتِحْضَارُ اللّٰہِ فِی الْقَلْبِ ''یعنی دل میں اللہ کی یاد ہے، اس کی اصل جان خشوع اور خضوع یعنی عاجزی کے ساتھ اللہ کے سامنے جھک جانا ہے۔ جیسا کہ سورۂ مؤمنون کے آغاز میں فرمایا گیا :

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خَاشِعُوْنَ ۝

''بلاشبہ فلاح پا گئے وہ ایمان والے جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں۔''

جب تک یہ خشوع موجود نہ ہو اس وقت تک نماز کا حق ادا نہیں ہوتا اور ''عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدۂ تصورات'' کے مصداق اگر اللہ کی محبتِ ذاتی قلب میں موجود نہ ہو تو سارے قوانین اور ضابطے محض ایک رسم کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

## عبادت کی ضد: استکبار :

اب تک کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ عبادت اصل میں اللہ کے احکامات کے سامنے دلی آمادگی کے ساتھ جھک جانے اور بچھ جانے کا نام ہے۔ اس کا کم سے کم تقاضا یہ ہے کہ یہ زندگی کے کسی ایک گوشے میں محدود نہ ہو، بلکہ پوری زندگی پر محیط ہو۔ اس بات کو مزید اچھی طرح سمجھنے کے لئے سورۂ مومن آیت 60 پر توجہ فرمایئے، جس میں '' عبادت'' کے متضاد کے طور پر لفظ ''استکبار'' وارد ہوا ہے :

وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ط اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ

سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ﴿﴾

''اور تمہارے پروردگار نے فرمادیا ہے کہ مجھ کو پکارو، میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔ اور جو لوگ میری عبادت سے سرتابی اور سرکشی کرتے ہیں، وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے''۔

معلوم ہوا کہ عبادت کا تقابل اور اس کی ضد استکبار، سرتابی، سرکشی اور اپنی مرضی پر چلنا ہے۔ عربی مقولہ ''تُعْرَفُ الْاَشْیَاءُ بِاَضْدَادِھَا'' (اشیاء اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں) کے مصداق عبادت کی حقیقت ان الفاظ کے ذریعہ سمجھی جاسکتی ہے جو اس کی ضد کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی عبادت کی ضد یہ طرزِ عمل ہے کہ اللہ کی مرضی کے مقابلہ میں اپنی مرضی اور اللہ کے حکم کے مقابلہ میں اپنے نفس کے حکم کو ترجیح دی جائے۔ اس طرزِ عمل کو قرآنِ حکیم میں اپنی خواہشاتِ نفس کو اپنا معبود بنالینے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سورۂ فرقان آیت **43** میں فرمایا گیا:

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوٰىهُ

''کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشاتِ نفس کو اپنا معبود بنالیا ہے؟''

ایسا شخص گویا اللہ کے بجائے اپنے نفس کی عبادت کر رہا ہے۔ اللہ کے حکم کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی خواہشِ نفس کی پیروی یا زمانے کے چلن اور معاشرے کے رسم و رواج کی تقلید کرنا درحقیقت عبادت کی ضد ہے۔

## عبادت کی شرطِ لازم : اخلاص :

عبادت کے ضمن میں قرآنِ حکم میں یہ مضمون بھی صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ عبادت خالصۃً اللہ کے لئے ہونی چاہئے۔ چنانچہ سورۂ زمر آیات **2 - 3** میں وارد ہوا:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ﴿﴾

اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ

''(اے نبیؐ) ہم نے حق کے ساتھ اس کتاب کو آپ کی طرف نازل کیا ہے، پس آپ اللہ



کی بندگی کیجئے، پوری اطاعت اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے! یاد رکھو کہ خالص اطاعت بس اللہ ہی کے لئے ہے۔''

پھر اسی سورۃ میں آگے چل کر آیت **11** میں فرمایا:

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ﴿﴾

''(اے نبیؐ!) کہہ دیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ ساری اطاعت صرف اسی کے لئے خالص ہو جائے''۔

اللہ غیور ہے اور وہ خالص اطاعت چاہتا ہے۔ اگر کوئی شخص کچھ معاملات میں اللہ، کچھ میں رسم و رواج، کچھ میں بے سند روایات اور کچھ میں خواہشاتِ نفس کی اطاعت کر رہا ہے تو یہ ہمہ رنگی اطاعت اللہ کو قبول نہیں اور ایسے شخص کے لئے سورۂ بقرہ آیت **85** میں وعید ہے کہ:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِکَ مِنْکُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿﴾

کیا تم کتابِ (الٰہی) کے بعض احکامات کو تو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے، تو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رُسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب میں ڈال دیئے جائیں اور جو تم کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔

## اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق و ربوبیت :

آیۂ مبارکہ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ..... میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات بیان ہوئی ہیں..... ایک اس کا رب ہونا اور دوسرے اس کا خالق ہونا۔ درحقیقت یہ دو صفات ہی دعوتِ عبادتِ رب کی دلیلیں ہیں۔ یعنی وہی تمہارا خالق، تمہیں وجود بخشنے والا ہے اور وہی تمہارا پروردگار اور پالنہار بھی ہے، لہٰذا صرف اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اس کی بندگی کی جائے۔

انسان نہ تو خود بخود پیدا ہو گیا ہے اور نہ ہی وہ خود اپنا خالق ہے۔ سورۂ طور آیت **35** میں فرمایا:

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ ھُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

''کیا وہ خود سے پیدا ہو گئے یا انہوں نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا ہے؟''

معلوم ہوا کہ ہم مخلوق ہیں اور کوئی ہمارا خالق ہے۔ پس جو خالق ہے اسی کو حق پہنچتا ہے کہ مخلوق پر اس کی مرضی چلے۔ یہی بات سورۂ اعراف آیت **54** میں فرمائی گئی کہ: اَ لَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (''خبردار ہو جاؤ، وہی خالق ہے اور اسی کی حکومت وفرماں روائی ہے'')۔ عقلِ سلیم اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ جس نے پیدا کیا ہے اُسی کو حق پہنچتا ہے کہ اس کی بات مانی جائے۔ آدمی نہ صرف خود اپنا خالق نہیں بلکہ اس کے آباؤ اجداد بھی اس کے خالق نہیں اور وہ بھی مخلوق تھے۔ لہٰذا یہ جائز نہیں کہ بلا سوچے سمجھے آباؤ اجداد کے طریقہ کی پیروی کی جائے اور کسی عمل کے بارے میں وَجَدْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَ نَا (''ہم نے اسی طریقہ پر اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے'') کو دلیل بنا کر آباء پرستی شروع کر دی جائے۔ اس لئے آیت مبارکہ میں آگے اضافہ فرما دیا کہ: وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ یعنی جو تم سے پہلے تھے ان سب کا خالق بھی وہی اللہ ہے جو تمہارا خالق ہے۔ اُن کے طور طریقے اگر اللہ کے حکم کے مطابق ہوں تب تو اُن کا اتباع کیا جائے گا، لیکن اگر اُن کی روش اس کے برعکس ہو تو اُن کا یہ حق ہرگز نہیں کہ اُن کا اتباع کیا جائے۔

دوسری بات یہ فرمائی گئی کہ اللہ صرف تمہارا خالق ہی نہیں، بلکہ وہ تمہارا ''رب'' بھی ہے۔ وہ تمہاری تمام ضروریات پوری کر رہا ہے۔ تمہیں درجہ بدرجہ ترقی دیتے ہوئے اور ہر درجہ کی تمام ضروریات کا اہتمام کرتے ہوئے تمہیں تمہارے مقامِ کمال کی طرف لے جا رہا ہے۔ ماں کے دل میں مامتا، باپ کے دل میں شفقت اور عزیزوں کے دل میں محبت اُسی کی پیدا کردہ ہے۔ موسموں کی تبدیلی، بارش کا نظام، زمین میں روئیدگی اور نشوونما کی قوت اور اس پر تمہارے لئے نفع رساں چوپایوں کا وجود، نظامِ شمسی اور اس میں موجود کشش، غرض یہ کہ یہ پورا نظام اسی کی شانِ ربوبیت کا مظہر ہے۔ پس وہی تمہارا خالق ہے اور وہی تمہارا رب ہے۔



### ربوبیت خداوندی کے دو مظاہر:

عام طور پر جب ہم رب کی شرح کرتے ہیں تو بس ربوبیتِ جسمانی پر آ کر ٹھہر جاتے ہیں، حالانکہ ربوبیت صرف جسم وجان کی ضروریات کی فراہمی تک محدود نہیں بلکہ اس میں روح کی تسکین اور عقل کی رہنمائی کا معاملہ بھی شامل ہے۔ انسان جب یہ معرفت حاصل کر لیتا ہے کہ جس بارگاہ سے میری تمام مادی ضروریات پوری ہو رہی ہیں، میری عقل کی رہنمائی کا اہتمام اور میری روح کی پیاس کی سیرابی کا انتظام بھی اُسی کی طرف سے ہوگا تو اِسے قرآنِ حکیم ''حکمت'' سے تعبیر کرتا ہے۔ چنانچہ سورۂ لقمان آیت **12** میں فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَۃَ اَنِ اشْکُرْ لِلّٰہِ (''اور بے شک ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی کہ شکر کر اللہ کا'')۔ یعنی انہیں دانائی، سمجھ، عقل کی پختگی اور شعور کی گہرائی عطا کی گئی تھی جس کا نتیجہ شکرِ الٰہی ہے۔ چنانچہ حکمت کی دولت حاصل ہوتے ہی سارا جذبۂ شکر اللہ کی ذات کی طرف مرتکز ہو جائے گا۔ اِسی حقیقت کا اظہار قرآنِ حکیم کی پہلی آیت میں ہے کہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ('' کل شکر اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے'')۔

### ربوبیت وتخلیق کی معرفت کا لازمی تقاضا:

پس یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ کے الفاظ میں دعوتِ عبادتِ رب کے لئے دلیل دی گئی کی بندگی اور پرستش کرو اُس ہستی کی جو:

i- تمہارا رب ہے یعنی جس نے تمہاری جسمانی ربوبیت کے لئے کائنات کا نظام بنایا اور تمہاری روح کی تسکین اور عقل کی رہنمائی کے لئے انبیاء بھیجے اور کتابیں نازل کیں۔

ii- تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا بھی خالق ہے۔

جب اپنے رب اور خالق کی معرفت حاصل ہو گئی اور یہ حقیقت منکشف ہو گئی کہ یہ نظامِ کائنات از خود چند لگے بندھے قوانین کے تحت نہیں چل رہا، بلکہ اِس میں ہر آن اور ہر لحظہ اللہ کا حکم جاری وساری ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلنا چاہئے کہ خود کو اپنے رب کے سامنے بچھا دیا جائے

اور کمالِ محبت و رغبت کے ساتھ اس کے تمام احکامات کی اطاعت کی جائے۔

## "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" کی تشریح:

آیت کا آخری ٹکڑا "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" عبادتِ رب کے ثمرہ و نتیجہ کو بیان کر رہا ہے کہ اے لوگو! تمہیں عبادتِ رب کی دعوت اس لئے دی جا رہی ہے "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" تا کہ تم بچ جاؤ۔ تقویٰ کا اصل مفہوم ہے "بچنا" یعنی اللہ کی نافرمانی سے بچنا اور نتیجۃً اس کی ناراضگی اور سزا سے بچنا۔ عربی لغت میں تقویٰ اس کیفیت کو کہتے ہیں کہ جب انسان کسی خاردار جنگل میں سے گزرتے ہوئے جھاڑیوں اور کانٹوں سے اپنے کپڑوں کو بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح دنیا میں رہتے ہوئے خود کو اللہ کی نافرمانیوں سے بچالے جانا تقویٰ ہے۔ گویا "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" سے مراد ہے کہ اگر عبادتِ رب کی دعوت قبول کرو گے تو دنیا کی عارضی لذتوں کے حصول کی خاطر دھکے کھانے سے بچو گے اور آخرت کی ھلاکت خیزی سے محفوظ رہو گے۔ اگر عبادت رب کو اپنی زندگی میں اختیار نہ کیا اور اپنی باگ ڈور اپنے نفس کے ہاتھ میں دے دی تو دنیا میں بھی در در کی ٹھوکریں کھاؤ گے اور آخرت میں بھی ابدی خسارے سے دوچار ہو گے۔

نوعِ انسانی کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو نظر آتا ہے کہ انسان اصل میں افراط و تفریط کے مابین دھکے کھا رہا ہے۔ انسان نے جاگیردارانہ نظام سے نکلنے کی کوشش میں اپنے لئے جمہوریت کا نظام اختیار کیا، لیکن جمہوریت کا دور شروع ہوا تو اس میں وہ خباثتیں موجود تھیں جنہوں نے سرمایہ دارانہ نظام کی مکروہ صورت اختیار کر لی۔ اس انتہا تک پہنچ کر انسان نے سوچا کہ وہ ایک تباہی اور ہلاکت سے دوچار ہو گیا ہے تو پھر واپس لوٹا، لیکن اب دوسری انتہا تک جا پہنچا۔ اس نے اپنی عقل سے یہ نظام تجویز کیا کہ انفرادی ملکیت کو ختم کر کے تمام ذرائع و وسائل کو ایک مرکزی نظام کے تحت لے آنا چاہئے۔ اس طرح انسان کی انفرادیت اور اس کی آزادی سلب ہو گئی۔ انسانیت ختم ہو کر رہ گئی اور اب سب کے سب انسان حیوانی سطح پر آ گئے اور پورا ملک جانوروں کے پنجرے کی طرح ایک جیل خانہ بن گیا۔ پس اگر



انسان عبادتِ رب کی روش اختیار نہیں کرے گا یعنی اللہ کی اطاعت اختیار کر کے اس کی مرضی کے مطابق نظام قائم نہیں کرے گا تو اسی طرح دھکے کھاتا رہے گا۔ ایک طرف جانے کے بعد پھر وہاں سے گھبرا کر واپس لوٹے گا لیکن پھر بھی اس کا قدم صراطِ مستقیم پر نہیں ٹکے گا اور وہ ایک دوسری انتہا تک جا پہنچے گا۔ وہاں پہنچ کر کوئی ردعمل پیدا ہو گا تو کہیں تیسری طرف جا نکلے گا۔ افراط و تفریط کے ان دھکوں سے بچ نکلنے کی واحد صورت یہی ہے کہ عبادتِ رب کی اس دعوت پر لبیک کہا جائے اور اللہ کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر لیا جائے۔ یہ وہ صراطِ مستقیم ہے جو ایک متوسط شاہراہ ہے اور ایک ایسے عادلانہ نظام تک لے جاتی ہے جو ہر اعتبار سے متوازن ہے۔ جس میں زندگی کے تمام تقاضوں کو اعتدال کے ساتھ سمو دیا گیا ہے۔ یہ اللہ کی بندگی کا راستہ ہے جسے اختیار کر کے نوعِ انسانی دنیا میں افراط و تفریط کے دھکوں سے اور آخرت میں اللہ کی ناراضگی اور اس کے عذاب سے بچ سکتی ہے۔

## غور کا مقام:

اب تک ہم یہ بات سمجھ چکے ہیں کہ قرآن کی اصل دعوت عبادتِ رب ہے اور اس کی مخاطب کوئی ایک قوم یا گروہ نہیں بلکہ پوری نوعِ انسانی ہے۔ اس وقت اس دعوت کی امین اُمتِ مسلمہ ہے اور نوعِ انسانی تک اِس دعوت پہنچانا اس کی ذمہ داری ہے۔ ہمارے لئے غور کا مقام یہ ہے کہ بدقسمتی سے یہ امت آج خود اس بات کی محتاج ہے کہ اس تک یہ دعوت پہنچائی جائے۔ چنانچہ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ پہلے ہم خود اس دعوت پر لبیک کہیں، اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو اُستوار کریں اور پھر دنیا کے سامنے اس دعوت کے داعی بن کر قول و عمل سے اِس کی تبلیغ کریں۔

## فرض عبادات کا بندگیٔ رب سے تعلق

عبادت کے اِس وسیع اور جامع مفہوم کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب یہ جان لیجئے کہ فرض عبادات یعنی ارکانِ اسلام کا اس سے کیا تعلق ہے۔ یہ عبادات اس عظیم عبادت یعنی اللہ کے

سامنے بچھ جانے کے لئے انسان کو تیار کرتی ہیں اور اِس راہ کی رکاوٹوں کو دور کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ اِن سے انسان میں وہ قوت وصلاحیت وپیدا ہوتی ہے جس سے وہ عبادتِ رب کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات کا مقابلہ کرسکتا ہے۔

**نماز کا اصل مقصد** : عبادتِ رب اور اطاعتِ خالق میں سب سے بڑی رکاوٹ جو انسان کو درپیش ہوتی ہے وہ غفلت، نسیان اور بھول ہے۔ انسان کا اپنے معمولات میں حد درجہ اُلجھ جانا اور ان میں کولہو کے بیل کی طرح مصروف رہنا، دراصل ایک ایسا چکر ہے جو انسان کو اپنے اندر گم کرلیتا ہے۔ اس لفظ ''گُم'' سے میرا ذہن علامہ اقبال کے اس شعر کی طرف منتقل ہوا ہے کہ :

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق!

انسان کی کیفیت عام طور پر یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماحول، اپنی ضروریات کی فراہمی اور اپنی پریشانیوں میں گم ہوکر رہ جاتا ہے۔ کاروبار کی فکر، ملازمت کی فکر، اہل وعیال کی فکر، بچوں کے دکھ اور بیماری کی فکر، بچوں کی تعلیم وتربیت اور ان کی شادی بیاہ کی فکر اور نہ جانے کتنے مسائل کے روگ ہیں جو انسان کو لاحق رہتے ہیں اور اِن میں وہ گم ہوکر رہ جاتا ہے۔ اس گمشدگی کی حالت سے انسان کو نکالنے کے لئے نمازِ پنجگانہ کا نظام ہے۔ نماز انسان کو دن میں پانچ مرتبہ تمام مصروفیات سے کھینچ کر باہر نکالتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِی** (''نماز قائم کرو میری یاد کے لئے'' طٰہٰ: **14**)۔ دن میں پانچ وقت اللہ کے حضور کھڑے ہو اور ہر رکعت میں اپنے اس عہد ومیثاق کو تازہ کرو کہ **اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ** (''پروردگار! ہم صرف تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور کریں گے اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگیں گے'')۔ ہر رکعت میں اپنے اس قول وقرار کی تجدید کرکے اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرو، اپنے بندہ ہونے کی حیثیت کو اپنے شعور میں اُجاگر کرو اور اُس ہستی کو یاد رکھو جس سے تم نے یہ عہدِ وفاداری اُستوار کیا ہے۔ نماز کا اصل مقصد ہی یادِ الٰہی ہے اور اِسی یادِ الٰہی سے



ان حقائق کی یاد دہانی ہوتی ہے جن کا نام ایمان ہے۔ پس نماز وہ فریضہ ہے جو انسان کو اِس گمشدگی کی حالت سے دن میں پانچ بار نکالتی ہے اور اُسے یاد دلاتی ہے کہ وہ کسی کا غلام وبندہ ہے اور اُس نے کسی سے عہدِ اطاعت اور عہدِ وفا اُستوار کر رکھا ہے اور اُسے اپنے تمام معمولات میں اس عہد کی پابندی کرنی ہے۔

**زکوۃ کی اہمیت** : عبادتِ رب کے راستہ کی دوسری بڑی رکاوٹ دنیا کی محبت ہے جس کا سب سے بڑا مظہر مال کی محبت ہے۔ مال ہی وہ ذریعہ ہے جس سے دنیا کی ہر چیز حاصل کی جاسکتی ہے۔ شہرت، حشمت، وجاہت، عزت، منصب، اقتدار، غرض یہ کہ نفس کی ہر مطلوب شے مال کے ذریعہ حاصل کی جاسکتی ہے۔ گویا کہ دنیا اور مال لازم وملزوم ہیں۔ یہ مال کی محبت ہی ہے جو حق کے راستے میں انسان کے پیر کی بیڑی بن جاتی ہے۔ یہ مال ہی وہ چیز ہے جس کے لئے انسان حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرالیتا ہے اور اللہ کے احکامات سے رُوگردانی کرتا ہے۔ چنانچہ مال کی محبت کو کم کرنے اور اس کو دل سے کھرچنے کے لئے زکوٰۃ کی عبادت سی گئی۔ اپنے مالوں میں سے زکوٰۃ، صدقات اور خیرات نکالو اور انہیں اللہ کی خوشنودی کے لئے صرف کرو۔ نبی اکرم ﷺ سے فرمایا گیا: **خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا** (ان کے اموال میں سے صدقات وصول کیجئے کہ آپ ﷺ اس کے ذریعہ سے انہیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں۔ التوبہ: **103**)۔ مال کی محبت کو دل سے نکالنے کے لئے علاج تجویز کیا گیا کہ خرچ کرو اللہ کی راہ میں! اس طرح یہ نجاستِ دل سے دُھلے گی اور تمہارا تزکیہ ہوجائے گا۔

**روزہ کی حکمت** : عبادتِ رب کی تیسری رکاوٹ ہمارے نفس کی حدِ اعتدال سے بڑھی ہوئی خواہشات ہیں۔ ہمیں زندگی برقرار رکھنے کے لئے کھانے اور پانی کی ضرورت ہے اور بقاءِ نسل کے لئے ہمارے اندر جنسی جذبہ ہے۔ یہ تمام ضروریات اپنی جگہ پر درست ہیں۔ لیکن ان خواہشات حدِ اعتدال سے بڑھ جانے کا میلان موجود ہے۔ جب یہ حدِ اعتدال سے

تجاوز کرتی ہیں تو تقاضا کرتی ہیں کہ حکم اللہ کا نہیں ہمارا چلے گا۔ مثلاً جب جنسی جذبہ اشتعال میں آتا ہے تو نفس یہ مطالبہ کرتا ہے کہ میرا یہ تقاضا لازماً پورا ہونا چاہئے، مجھے کچھ معلوم نہیں کہ اللہ کیا کہتا ہے، رسول کا کیا حکم ہے، حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے! نفس کے اس منہ زور گھوڑے کو قابو میں کرنے اور اس کے تقاضوں کو ایک فطری حد تک محدود رکھنے کے لئے روزہ فرض کیا گیا۔ سورۂ بقرہ آیت **183** میں ارشاد فرمایا گیا: **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ** ﴿﴾ (''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزہ فرض کر دیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تا کہ تم بچ سکو!'')۔ تمہارے نفس کے تقاضوں کو قابو میں کرنے کی صلاحیت اور قوت روزہ کی عبادت سے پیدا ہو گی۔ روزہ کی بدولت ان میں سے کوئی تقاضا بھی اتنا زور آور نہیں رہے گا کہ تم سے اپنی من مانی کرا سکے اور تم کو یہ بات بھلا دے کہ تم اللہ کے بندے ہو اور اللہ کے قانونِ حلال و حرام کے پابند ہو۔ اس طرح تم اللہ کے احکامات کو توڑنے کی جسارت سے بچ سکو گے۔

**حج کی جامعیت:** حج کی عبادت میں وہ تمام چیزیں جمع کر دی گئی ہیں جو ہمیں نماز، زکوٰۃ اور روزہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ اس میں یادِ الٰہی بھی ہے، وقتی طور پر دنیوی اسباب سے کٹ جانا بھی ہے، انفاقِ مال بھی ہے، جسمانی مشقت بھی ہے اور نفس کے تقاضوں کو ضبط میں رکھنے کے لئے کچھ پابندیاں بھی ہیں۔ چنانچہ حج ایک انتہائی جامع عبادت ہے۔

تو یہ چاروں عبادات انسان کو تیار کرتی ہیں کہ وہ عبادتِ رب کے راستہ پر گامزن ہو سکے جو اس کی تخلیق کا مقصد ہے اور وہ اپنے اُس عہد پر قائم رہ سکے جو اُس نے دنیا میں آنے سے قبل عالم ارواح میں کیا تھا۔ اس عہد کا ذکر سورۂ اعراف آیت **172** میں اس طرح ہے کہ اللہ نے پوچھا: **اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی** یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، تو سب پکار اٹھے کہ کیوں نہیں، ہم سب تسلیم کرتے ہیں کہ تو ہمارا رب ہے! اِس عہد کی تجدید ہم ہر نماز کی ہر رکعت میں کرتے ہیں۔ اسی رب کی بندگی کی دعوت آیت زیرِ مطالعہ میں دی جا رہی ہے کہ:



**یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ** ﴿﴾

''اے لوگو! عبادت کرو اُس رب کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور اُن کو بھی جو تم سے پہلے گزرے تا کہ تم بچ سکو۔'' (البقرہ: **21**)

**خلاصۂ کلام:**

آخر میں اس ساری بحث کا لُبِّ لباب اور خلاصہ ذہن نشین کر لیجئے کہ بنی نوعِ انسان کے نام قرآن کا اصل پیغام اور اس کی اصل دعوت ''بندگیٔ رب'' کی دعوت ہے۔ یعنی انسان سے اس کی پوری زندگی میں کمال محبت و شوق کے ساتھ اللہ کی کامل اطاعت مطلوب ہے۔ عبادت محض نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ فرض عبادات پوری زندگی کو اللہ کی غلامی اور بندگی میں دینے کے لئے انسان کو تیار کرتی ہیں۔ ''عبادتِ رب'' کا راستہ کوئی آسان راستہ نہیں ہے۔ اس راہ میں بڑی بڑی رکاوٹیں موجود ہیں۔ بڑے بڑے لالچ، ترغیبات اور بڑی خوش نما لذتیں انسان کو اس راہ سے روکتی اور اپنی طرف مائل کرتی ہیں۔ ان تمام رکاوٹوں کو دور کرنے اور اور ان تمام ترغیبات سے بچنے کے لئے دین کے نظام میں یہ عبادات تجویز کی گئی ہیں۔ نماز اللہ کے ذکر اور اپنے مقصدِ تخلیق سے غفلت کا علاج ہے۔ زکوٰۃ دل سے مال کی محبت کھرچنے کا ذریعہ ہے۔ روزہ نفس کے منہ زور گھوڑے کو لگام دینے اور اس کے تقاضوں کو حدِ اعتدال پر رکھنے کی مشق ہے۔ حج ان تینوں عبادات کی جامع عبادت ہے، جس میں ان کے تمام فائدے جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اگر یہ حقائق سمجھ میں آ جائیں تو پھر ان شاء اللہ دین کا پورا نقشہ اور اس کے تقاضے واضح ہو جائیں گے اور اس آیتِ کریمہ کا صحیح صحیح مفہوم سمجھ میں آ جائے گا کہ:

**یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ** ﴿﴾

''اے لوگو! عبادت کرو اُس رب کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور اُن کو بھی جو تم سے پہلے گزرے تا کہ تم بچ سکو۔'' (البقرہ: **21**)